پروفیسر مسعود حسن

—— پروفیسر مختار الدین احمد

۲۷ رمئی ۹۲ء کی شب کو عربی و فارسی کے مشہور استاد اور اردو کے ممتاز ادیب پروفیسر مسعود حسن طویل علالت کے بعد کلکتہ میں وفات پا گئے۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

مسعود حسن ۵ رنومبر ۱۹۲۰ء کو اپنے وطن کھگول (دانا پور) ضلع پٹنہ کے ایک ممتاز اہل حدیث خاندان میں پیدا ہوئے جو وہاں کئی پشتوں سے آباد تھا اور اپنے مذہبی اور علمی خدمات کی وجہ سے مشہور تھا۔ ان کے والد منشی غلام قادر نے انھیں ان کے حقیقی ماموں حکیم مولانا محمد حسن[1] (۱۸۸۰ - ۱۹۶۱ء) کے سپرد کر دیا جن کے سایۂ عاطفت میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی۔ متوسطات کی تعلیم مدرسۂ فیض عام مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں پا کر وہ ۱۹۳۳ء میں مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں داخل ہوئے جہاں مدرسہ اگزامینیشن بورڈ سے ۳۳ء میں انھوں نے "مولوی" اور ۳۵ء میں "عالم" کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے وہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد سہول عثمانی، مولانا اصغر حسین بہاری مولانا سید دیانت حسین دربھنگوی، مولانا ظفر الدین قادری (۱۸۸۵ - ۱۹۶۲ء) مولانا سید شاہ عبید اللہ المجہری (متوفی ۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ) مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوری اور مولانا سید عبد السبحان دسنوی کے نام یاد آتے ہیں۔ مولانا محمد سہول، مولانا اصغر حسین اور مولانا عبد الشکور مدرسۂ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد،

---

[1] حکیم صاحب، مولانا محمد ابراہیم آروی (متوفی ۱۳۲۰ھ) مؤسس مدرسۂ احمدیہ آرا (ضلع شاہ آباد) اور مشہور محدث مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) کے تلامذۂ خاص میں تھے۔

مولانا دیانت حسین نے مدرسۂ عالیہ رام پور میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہ معقولات میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا حکیم برکات احمد بہاری ثم ٹونکی کے اہم تلامذہ میں تھے ۔مولانا ظفرالدین قادری، مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے شاگرد تھے وہ مدرسہ منظر اسلام بریلی کے فارغ التحصیل اور مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ (۱۲۷۲۔ ۱۳۴۰ھ) کے تلمیذ خاص اوران کے مجاز وخلیفہ تھے، مولانا شاہ عبیداللہ نے انجھر اور دوسرے مقامات کے علماء سے علمی فیوض حاصل کیے تھے ۔جب کہ مولانا سید عبدالسبحان دسنوی ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ تھے ۔ان کی شرح دیوان حماسہ دہلی سے شایع ہوئی تھی اور بہار کے دینی مدارس میں مروج تھی ۔مسعود حسن مؤناتھ بھنجن کے ایک دینی مدرسے سے تعلیم حاصل کرکے آئے تھے اس لیے ان کی علمی استعداد مضبوط تھی ۔عربی ادب سے ان کی خاص دلچسپی تھی ۔عربی لکھنے پر قدرت رکھتے تھے ۔مقامات حریری کے دس مقامات انھیں حفظ تھے اور اس کے فقرات وتراکیب اپنی عربی تحریر میں خوبصورتی سے استعمال کرتے تھے ۔اس لیے مولانا عبدالسبحان دسنوی جو عربی ادب پڑھاتے تھے ان پر خاص طور پر شفقت فرماتے تھے ۔

مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے دوستوں میں مولوی عبدالاحد شرف الدین پوری (جو بعد کو طبیہ کالج پٹنہ میں پروفیسر اور اس کے پرنسپل ہوئے) حفیظ الرحمٰن اوج شمسی (جو تعلیم سے فراغت کے بعد اسی مدرسے میں استاد، پھر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے) عبدالقیوم مہجور شمسی سہسرامی (۱۹۱۵ - ۱۹۷۴ء)[1] اور حافظ ظہیر احمد مجروح عظیم آبادی مرحوم[2] کے

---

[1] سید عبدالقیوم، مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے "عالم" اور پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے کے امتحانات میں کامیاب ہوکر بہار کے بعض ممتاز اسکولوں میں استاد رہے اور بحیثیت شاعر کے انھوں نے خاصی شہرت حاصل کی۔ دو مجموعۂ اشعار 'پردۂ ساز' (۱۹۶۶ء) اور 'نوائے راز' (۱۹۷۳) چھپ گئے ہیں، دو مجموعے 'گل نغمہ' اور 'کلام مہجور' مرتب ہیں لیکن ابھی شائع نہیں ہوئے۔

[2] حافظ سید ظہیر احمد تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ ہی میں بحیثیت معلم مقرر ہوئے۔ وہ اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے ۔شاد عظیم آبادی کے بعض تلامذہ سے انھوں نے فیض حاصل کیا۔ انھوں نے ایک دارالاشاعت "شاد بکڈپو" کے نام سے قائم کیا تھا جہاں سے شاد عظیم آبادی اور عصیر حسین خیال کی بعض تصانیف انھوں نے شائع کیں

نام اس وقت یاد آ رہے ہیں۔ میں مسعود حسن سے عمر میں چھوٹا تھا لیکن مجھ سے اس زمانے میں بھی ان کا برتاؤ دوستانہ رہا اور بعد کو جوان سے گہرے تعلقات قائم ہوئے وہ ہمیشہ استوار رہے۔

مسعود حسن مدرسے کی تعلیم کے بعد ۱۹۳۶ء میں اپنے بھائی ڈاکٹر محمود حسن کے پاس کلکتہ چلے گئے جو بعد کو وہاں کے ایک طبی ماہر اور سماجی کارکن کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان کی وفات کلکتہ ہی میں ۷ ر نومبر ۱۹۶۱ء کو ہوئی۔ مسعود حسن نے ان کے زیر سایہ رہ کر انگریزی کی تعلیم مکمل کی۔ انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۹۴۳ء میں عربی میں اور بعد کو فارسی میں بھی ایم اے کیا۔ دونوں امتحانات میں وہ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے ان کے اساتذہ میں پروفیسر محمد زبیر صدیقی (متوفی ۱۸ ر مارچ ۱۹۷۶ء) پروفیسر محمد محفوظ الحق (ولادت ۷ ر جنوری ۱۹۰۰ء وفات ۱۰ ر جون ۱۹۴۶ء) پروفیسر محمد اسحٰق[1]، مولانا فضل الرحمٰن "باقی"[2] اور مولانا محمد اکبر ندوی

---

[1] ڈاکٹر محمد اسحٰق کلکتہ میں ۱۸۹۸ کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۳ء انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا، ۱۹۲۲ء میں ڈھاکا یونیورسٹی میں عربی و اسلامیات کے اور ۱۹۲۶ء میں اسلامیہ کالج کلکتہ میں عربی و فارسی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں کلکتہ یونیورسٹی میں ان کا تقرر ہوا وہ ۱۹۳۰ء میں لندن گئے جہاں پروفیسر منورسکی کی نگرانی میں جدید فارسی شاعری پر مقالہ لکھ کر انھوں نے ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ وہ کلکتہ یونیورسٹی میں ۳۲ سال تک عربی و فارسی کی خدمت کرتے رہے۔

وہ ۱۹۶۰ء میں صدر شعبہ کی حیثیت سے متقاعد ہوئے۔ ان کی کتابیں "سخنورانِ ایران در عصر حاضر" اور "ایران کی چار مشہور خواتین شاعر" یورپ اور ایران میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ نکلسن، لوک ہارٹ، جمالزادہ، مرزا محمد علی فروغی وغیرہ نے ان کے بارے میں بہت اچھے تاثرات ظاہر کیے۔ انھوں نے امین احمد رازی کی ہفت اقلیم ج ۳ اور خوانساری کی "روضۃ الجنات فی اوصاف مدینۃ الہرات" مرتب کی اور ایشیاٹک سوسائٹی کے عربی مخطوطات کی فہرست تیار کی۔ یہ سب کتابیں کلکتہ سے شائع ہو چکی ہیں، ۱۹۵۲ء میں انھوں نے البیرونی کی ہزار سالہ برسی کے موقع پر ایک یادگاری کتاب ایران سوسائٹی کی طرف سے، جس کے وہ بانی تھے، شائع کی۔ وہ علمی مجلہ "انڈو۔ ایرانیکا" کے موسس ہیں۔ اس کے ملاصدرا شیرازی، ایڈورڈ براؤن، مولانا ابو الکلام پر قیمتی اور قابل قدر خاص نمبر انھوں نے مرتب کر کے شائع کیے۔ وہ اواخر عمر میں علی قلی داغستانی کی "ریاض الشعرا" مرتب کر رہے تھے اور غزنوی عہد کے فارسی شعراء پر ایک کتاب لکھ رہے تھے کہ پیغام اجل آ پہنچا اور وہ کلکتہ میں ۱۳ ر ستمبر ۱۹۶۹ء کو وفات پا گئے۔

[2] مولانا فضل الرحمٰن باقی (۱۸۹۷ - ۱۹۶۳ء) نے دینی علوم کی تکمیل اپنے والد مولانا عبد الرحمٰن "بقا"

(متوفی ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ) تھے۔ ڈاکٹر صدیقی اور ڈاکٹر محمد اسحٰق کے طبائع میں بڑا فرق تھا اور ان کا طریقۂ کار بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف، لیکن مسعود حسن کے تعلقات دونوں سے ہمیشہ استوار رہے، وہ اپنے اساتذہ میں مولانا فضل الرحمٰن باقی کے تبحر علمی کے خاص طور پر قائل تھے اور ان کے اخلاق حمیدہ سے بہت متاثر۔ وہ ابن ربن الطبری (۱۶۵؟۔ قبل از ۲۴۶ھ) کی فردوس الحکمۃ (مطبوعہ برلن ۱۹۲۸) مرتبہ پروفیسر محمد زبیر صدیقی پر مولانا کے تنقیدی مضمون کو تحقیق و تنقید کا بہت اچھا نمونہ سمجھتے تھے جو مولوی عبداللہ دہلوی کے فرضی نام سے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے اخبار ہند کلکتہ میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا۔

مسعود حسن نے اپنی ملازمت کا آغاز پٹنہ کالج سے کیا جہاں وہ ۱۹۲۶۔۱۹۲۷ء میں

= اور دوسرے اساتذۂ وقت سے کی۔ وہ عقیدۃً سلفی المسلک تھے۔ تدریس کی ابتدا انھوں نے مدرسۂ رحمانیہ دہلی سے کی، پھر کلکتہ جا کر مدرسۂ سلفیہ میں وہ درس دینے لگے۔ ۱۹۲۸ء کے حوالی میں وہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں استاد مقرر ہوئے۔ پھر سر محمد حسان سہروردی وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کی ایما پر انھیں یونیورسٹی میں عربی وفارسی کا لیکچرر مقرر کیا گیا، جہاں وہ آخر حیات تک عربی وفارسی کی تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

وہ مسلک اہل حدیث سے تعلق اور اتباع سنتِ سنیہ میں شغف رکھتے تھے اور کلکتہ میں اس کے سرگرم کارکن۔ انھوں نے جمعیت تبلیغ اہل حدیث کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۲۲ رفروری ۱۹۲۵ء کے لیے ایک پر مغز خطبہ لکھا تھا جس میں تبلیغ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے توحید کے چار مراتب بتائے تھے، پھر بدلائل ہر ایک کی تشریح کی تھی۔ اس خطبے کو جمعیت تبلیغ اہل حدیث کلکتہ نے ۱۹۲۵ء میں شائع کر دیا تھا۔

عربی وفارسی کے قدیم متون کی ترتیب و تحشیے سے انھیں خاصی دلچسپی تھی۔ انھوں نے اسماعیل بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن قراب السرخسی (متوفی ۴۱۴ھ) کا رسالہ فضیلۃ الرمی فی سبیل اللہ کو مرتب کر کے اپنے قیمتی مقدمے اور مفید حواشی کے ساتھ مجلہ ’اسلامک کلچر‘ (حیدر آباد، ۱۹۶۰) میں، اور تصوف کا رسالہ ”الہدیۃ السلطانیہ“ مصنفہ قاضی محمد یوسف بلگرامی۔ مجلہ انڈو ایرانیکا (کلکتہ) میں شائع کیا۔ دیوان شعر عربی مرتب تھا لیکن شائع نہ ہو سکا۔ فارسی و اردو کا کلیات بھی غیر مطبوعہ رہا۔ اردو میں متعدد علمی مقالات ان سے یادگار ہیں۔ وہ ۶۶ سال کی عمر میں کلکتہ میں ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء کو وفات پا گئے۔

عربی کے لکچرر رہے۔ یہ عارضی جگہ غالباً وہاں کے لکچرر حافظ عبدالقدوس کے تحقیقی کاموں کے لیے انگلستان چلے جانے پر خالی ہوئی تھی۔ وہ بعض وجوہ کی بنا پر ایک سال کے بعد ہی لندن سے واپس آگئے تو مسعود حسن کلکتہ چلے گئے، اور ۱۹۴۸ء میں ان کا تقرر عربی، فارسی اور اردو کے لکچرر کی حیثیت سے ہوگلی محسن کالج ہوگلی میں ہوگیا، جہاں وہ ۱۹۵۲ء تک ان شعبوں کے صدر رہے۔ اسی سال وہ سنٹرل کلکتہ کالج کلکتہ میں عربی و فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں وہ کلکتہ مدرسہ (سابق مدرسۂ عالیہ) کے پرنسپل بن کر آئے اور ۴ر جنوری ۱۹۶۵ء کو کوئی چھ سال کے بعد مدرسے سے سبکدوشی کے بعد وہ مولانا آزاد کالج کلکتہ میں اپنی سابقہ ملازمت پر واپس آگئے۔ یہاں وہ عربی فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ وہ ۱۹۶۷ء میں پروفیسر مقرر ہوئے، جہاں وہ دس سال تک عربی و فارسی کے صدر رہے۔ ۱۹۷۷ء میں ان کی خدمات پبلک سروس کمیشن مغربی بنگال نے حاصل کرلی، وہ پانچ سال تک کمیشن میں اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے کر ۱۹۸۲ء میں متقاعد ہوئے۔ اس اثنا میں وہ تقریباً بیس سال تک کلکتہ یونیورسٹی میں عربی و فارسی کے جز وقتی لکچرر کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

مسعود حسن کے علمی و ادبی ذوق کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ کم عمری ہی میں جب وہ مدرسے کے طالب علم تھے ان کے افسانے، دوسری ادبی تحریریں اور عربی سے ترجمے، مسعود حسن داناپوری، کے نام سے ادبی دنیا، ہمایوں، ساقی اور دوسرے موقر ادبی رسالوں میں شائع ہوتے تھے، جب وہ کلکتہ یونیورسٹی میں ایم اے کے طالب علم تھے انھوں نے اپنا ایک مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ کو معارف میں اشاعت کے لیے بھیجا۔ یہ جولائی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا، اس کے بعد معارف میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے۔ پروفیسر محمد زبیر صدیقی (معارف مئی ۱۹۷۶ء) مولانا محمد اکبر ندوی (معارف ستمبر ۱۹۸۰ء) اور مولانا ابوسلمہ شفیع احمد (معارف مارچ ۱۹۸۶ء) کی رحلت پر ان کے مضامین "وفیات" کے عنوان کے تحت رسالہ معارف ہی میں شائع ہوئے۔

اردو کے مشہور انشاپرداز ل۔ احمد (لطیف الدین احمد ۱۸۸۵-۱۹۸۰) اکبرآبادی مقیم کلکتہ سے ان کے گہرے تعلقات تھے، وہاں کی انجمن "سخن زار" نے جشن ل۔ احمد منانے کا منصوبہ بنایا تو مسعود حسن جو انجمن اور جشن کمیٹی کے اہم رکن تھے۔ ان پر کچھ مضامین ایک مجموعے کی شکل میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ کلکتہ میں اس کی اشاعت کا کوئی انتظام

نہ ہو سکا تو انھوں نے اس مجموعے کے لیے جو مضامین لکھوائے تھے وہ مالک رام صاحب کو بھیج دیے جو اس زمانے میں ل۔ احمد پر رسالہ تحریر (ادبی مجلس دہلی) کا ایک خصوصی نمبر شائع کر رہے تھے۔ یہ مضامین تحریر جلد ۸-۳ (جولائی ۱۹۷۴ء) میں شائع ہوئے، جس میں ان کا بھی ایک مضمون شریک اشاعت ہے۔ ان کے ایک خط سے معلوم ہوا تھا کہ وہ سخن شعرا کے مصنف عبدالغفور نسّاخ (۱۸۳۴ - ۱۸۸۹) کی خود نوشت سوانح حیات (نسخۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) مرتب کر رہے ہیں اور اس پر مفصّل مضمون بھی لکھ رہے ہیں۔

۱۹۳۲ء سے انھوں نے مضمون نگاری شروع کی، اگر ان کی علالت کے آخری پانچ سال نکال بھی دیے جائیں تو پچاس پچپن سال میں انھوں نے جو کچھ لکھا انھیں جمع کیا جائے تو یہ تحریرات دو تین جلدوں میں آئیں گی۔ ضرورت ہے کہ ان مضامین کا انتخاب مرتب کر کے شائع کر دیا جائے۔ ان کے احباب و تلامذہ اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی کو اس طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے۔

مسعود حسن اردو نثر تو اچھی لکھتے ہی تھے، انھیں انگریزی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی۔ اسلامک کلچر (حیدرآباد) جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، انڈو ایرانیکا (کلکتہ)، انڈین لٹریچر (ساہتیہ اکیڈمی دہلی)، السٹریٹڈ ویکلی (بمبئی) اور اسٹیٹسمین (کلکتہ) وغیرہ میں شائع شدہ مضامین اس کے گواہ ہیں۔

پھلواری شریف (پٹنہ) کے ایک قدیم فارسی گو شاعر شاہ ابوالحسن فرد (ولادت ۱۰ رجب ۱۱۹۴ھ وفات ۲۴ محرم ۱۲۶۵ھ) کے ضخیم دیوان کا مطالعہ کر کے انھوں نے ایک تفصیلی مضمون انگریزی میں لکھ کر انڈو۔ ایرانیکا جلد ۸ شمارہ ۲ (۱۹۵۵ء) کلکتہ میں شائع کرایا تھا یہ کتابچے کی شکل میں سوسائٹی سے اب بھی ملتا ہے۔ عباسی شہزادی عُلیّہ بنت المہدی (۱۶۰ — ۲۱۰ھ) کی زندگی اور شاعری پر ان کا مضمون اسلامک کلچر (حیدرآباد) میں چھپا جس میں انھوں نے مختلف قدیم مصادر سے اس کے اشعار بھی تلاش کر کے جمع کر دیے ہیں۔ ابن حزم اور اس کی جمہرۃ الانساب پر ان کا مقالہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (جلد ۱۲ : ۱) میں ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ انڈو۔ ایرانیکا میں بھی ان کے کچھ مضامین چھپے ہیں لیکن وہ شمارے اس وقت پیش نظر نہیں۔ میر انیس کے مرثیوں پر ان کا ایک انگریزی مضمون ساہتیہ اکادمی کے رسالہ انڈین لٹریچر (دہلی ۱۹۷۰ء)

میں شائع ہوا اور انیس ہی پران کا ایک بہت اچھا مضمون خوشونت سنگھ اور قرۃ العین حیدر کے دور ادارت میں السٹریٹڈ ویکلی (بمبئی) میں چھپا تھا۔ ان دونوں مضامین کو انیس کے قدر دانوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ رایل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے جرنل میں بھی ایک قدیم ایرانی شاعر ضیار الدین فارسی پران کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ ساہتیہ اکیڈمی کے انگریزی رسالے انڈین لٹریچر میں ل۔ احمد پران کا مقالہ شائع ہوا تھا۔ ان کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "ہندوستانی ادب کے معمار سیریز" کے لیے انگریزی میں ل۔ احمد پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے جناب مالک رام صاحب سے جو اس وقت اکیڈمی کی جنرل کونسل کے ممبر اور اردو سیکشن کے سکریٹری تھے، دہلی جاکر اس کی اشاعت کے سلسلے میں بات چیت بھی کرلی تھی۔ ان کے کیے ہوئے بعض تراجم بھی نظر سے گزرے ہیں جن میں ڈاکٹر عیسیٰ صادق (تہران یونیورسٹی) کے مضمون "نظریات ابن سینا در باب تعلیم و تربیت و مقایسۂ اجمالی با نظریات افلاطون و ارسطو" کا انگریزی ترجمہ قابل ذکر ہے جو انڈو۔ ایرانیکا (کلکتہ، ۱۹۷۷ء) میں شائع ہوا۔

عربی و اسلامیات سے مسعود حسن کی دلچسپی گہری تھی۔ ۱۹۵۱ء میں وہ عہد عباسی کے غزل گو شاعر عباس بن الأحنف (متوفی ۱۹۲م) پر ایک مقالہ لکھ رہے تھے۔ دیوان العباس بن الأحنف کا ایک پرانا اڈیشن مطبع الجوائب، قسطنطنیہ کا ۱۲۹۸ھ کا چھپا ہوا ان کے پیش نظر تھا، میں نے انھیں مشورہ دیا کہ اپنے کام کی بنیاد اس جدید علمی اڈیشن پر رکھیں جسے ڈاکٹر عاتکہ الخزرجی نے متعدد نسخوں سے مرتب کرکے قاہرہ سے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا ہے۔

ابن حزم اندلسی (۳۸۴ - ۴۵۶ھ) ان کے محبوب مصنفوں میں تھے "مراتب الاجماع" کا ایک قلمی نسخہ ان کے ذخیرۂ کتب میں تھا، کتبخانۂ خدا بخش کے نسخے کی مدد سے انھوں نے اس کا متن مرتب کرنا شروع کیا اور اس پر ایک سیر حاصل مضمون لکھا، جس کا اختصار راقم الحروف نے اپنے دور ادارت میں علی گڑھ کے مجلۂ علوم اسلامیہ جلد ۱: ۲ (دسمبر ۱۹۶۰) میں شائع کیا۔ کچھ اضافوں اور ترمیمات کے بعد یہ مقالہ انھوں نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی اسلامک اسٹڈیز کی کانفرنس میں پیش کیا

انھوں نے 'مراتب الاجماع' کے مرتب کردہ متن سے حمد و نعت اور کتاب الطہارۃ کے ابتدائی حصے کا متن بھی مجلۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ میں اشاعت کے لیے بھیجا تھا۔ میں نے انھیں لکھا کہ یہ کتاب مکتبۂ قدسی قاہرہ سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوئی ہے اسے بھی پیش نظر رکھیئے اور مکمل کتاب مرتب کرکے ایک ساتھ شائع کیجیے۔

ابن حزم کی دوسری کتاب جس کی ترتیب و تصحیح کی فکر میں وہ برسوں رہے، جمہرۃ انساب العرب ہے، اس کا بہت اچھا نسخہ کتب خانۂ خدابخش میں محفوظ ہے۔ جب وہ پٹنہ کالج میں عربی کے لکچرر تھے، ان کی نگاہ سے یہ نسخہ گزرا اور مصنف و مصنَّف سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ جب وہ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ واپس گئے تو انھوں نے عزم کرلیا کہ وہ اس نادر مخطوطے کو، جو اب تک شائع نہیں ہوا تھا، پروفیسر محمد زبیر صدیقی (صدر شعبۂ عربی و فارسی و اسلامیات کلکتہ یونیورسٹی) کی نگرانی میں اڈٹ کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے پیش کریں گے۔ انھیں خدابخش اور ذخیرۂ شاہ احسان اللہ سندھی کے نسخوں کا علم تھا۔ انھوں نے استاذ مرحوم علامہ عبدالعزیز المیمنیؒ سے جمہرہ کے دوسرے نسخوں کے بارے میں اطلاعات طلب کیں۔ انھوں نے اطلاع دی کہ اس کے نسخے قاہرہ، استنبول وغیرہ میں ہیں، ایک نسخہ جو شاہ احسان اللہ سندھی کے ذخیرے میں سندھ میں محفوظ ہے، وہ بہت بعد کا مکتوبہ ہے اور اس کی اہمیت نہیں، لیکن خدابخش اور رام پور کے نسخے جو علی الترتیب ۹ ویں اور ۱۰ ویں صدی ہجری کے لکھے ہوئے ہیں، بہت اچھے ہیں۔ میں نے انھیں مشورہ دیا کہ فی الحال ان دو نسخوں کی بنیاد پر کام کرکے ڈاکٹریٹ کے لیے پیش کردیجیے، اس عرصے میں مصر و ترکی کے نسخوں کی مائکروفلم یا عکس حاصل کیجیے اور اشاعت کے وقت ان سے مدد لیجئے، آپ ان کے حصول کے انتظام میں ابھی سے رہے تو کام میں تعویق ہوگی۔ وہ شاید اپنی دقت پسندی کی بنا پر میرے مشورے پر عمل نہ کرسکے اور اگر کام انھوں نے کچھ کیا تھا تو اسے اتمام تک نہ پہنچا سکے۔

اس سے پہلے استاذ مرحوم کی نگرانی میں علی گڑھ کے ایک ریسرچ اسکالر مزمل حسین جمہرۃ انساب العرب کو بانکی پور، رام پور اور استانبول کے نسخوں کی مدد سے مرتب کر رہے تھے، لیکن افسوس ہے کہ تکمیل سے پہلے وہ وفات پاگئے۔ ۱۹۳۶ء میں

جرمن مستشرق اوٹو اشپیز جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی میں دو سال (۱۹۳۲-۱۹۳۴) بہ حیثیت استاد مامور رہے تھے جاتے وقت مزمل حسین مرحوم کا مرتب کردہ متن اور مصورۂ استانبول اپنے ساتھ بغرض اشاعت جرمنی لیتے گئے، وہ شاید جرمن اورینٹل سوسائٹی سے[۱] اسے شائع کرانا چاہتے ہوں گے، جہاں سے بیسوں قدیم عربی مخطوطات شائع ہوئے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں، لیکن کسی وجہ سے یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں جب پروفیسر اشپیز سے میں بون یونیورسٹی (جرمنی) میں ملا تو وہ جمہرۃ انساب العرب مرتبہ مزمل حسین کی عدم اشاعت کی کوئی وجہ بتانے سے قاصر رہے، بیس سال پہلے کی بات انھیں اچھی طرح یاد بھی نہ تھی۔ میرا خیال ہے انھوں نے جرمن اورینٹل سوسائٹی کو ماینز (مغربی جرمنی) بھیج دیا ہوگا جہاں ان دنوں اس کا دفتر تھا، وہاں کسی وجہ سے یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ مزمل حسین کا مرتب کردہ نسخہ میں نے ماینز میں تلاش کیا یونیورسٹی لائبریری میں بھی اور سوسائٹی کے دفتر میں بھی لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا۔

ڈاکٹر عظیم الدین احمد (۱۸۸۰ - ۱۹۴۹) سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو پٹنہ یونیورسٹی اور علامہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف السورتی (۱۸۸۹-۱۹۴۲) بھی کسی زمانے میں جمہرہ کی اشاعت کی فکر میں تھے۔ مولانائے سورتی نے تو نسخۂ رامپور کی نقل تیار کرا کے کتبخانۂ خدابخش کے نسخے سے اس کا مقابلہ بھی کر لیا تھا، وہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے اسے شائع کرانا چاہتے تھے، لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان کا مرتب کردہ متن بھی اشاعت پذیر نہ ہو سکا، ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی بھی ایک زمانے میں اس کی ترتیب و

۱؎ جرمن اورینٹل سوسائٹی کے بانی اور روح رواں عربی و اسلامیات کے مشہور عالم پروفیسر ہلمٹ ریٹر تھے جن کی تقریباً نصف زندگی ترکی میں عربی و فارسی و ترکی مخطوطات کی تلاش میں گزری۔ اس سوسائٹی کے قیام کا مقصد نادر عربی مخطوطات کی ترتیب و تصحیح اور ان کی اشاعت تھا بیسوں اہم کتابیں یہاں سے شائع ہوئیں ان میں صلاح الدین الصفدی (۶۹۶-۷۶۴ھ) کی الوافی بالوفیات (جسے ابن خلکان کی "وفیات الاعیان" اور ابن شاکر الکتبی کی فوات الوفیات کی ذیل سمجھنا چاہئے) قابل ذکر ہے جس کی بیس جلدیں اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ یہ ۱۹۳۱ء میں شائع ہونی شروع ہوئی ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ میرا قیاس ہے کہ بیس بائیس مزید جلدوں میں اس ضخیم کتاب کی طباعت مکمل ہو سکے گی۔

اشاعت کی فکر میں تھے۔

جمہرۃ انساب العرب لابن حزم کی اشاعت کسی ہندوستانی اسکالر مولانا سورتی، ڈاکٹر عظیم الدین احمد، مزمل حسین، ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی، مسعود حسن کسی کی قسمت میں نہ تھی مصر کے مشہور عالم اور محقق الاستاذ عبدالسلام محمد ہارون نے اسے مرتب کیا اور دارالمعارف قاہرہ نے ۱۹۴۸ء میں اس دُرِ بے بہا کو شائع کر کے اس سے استفادہ عام کر دیا۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن انہی کا مرتب کردہ قاہرہ سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہو گیا ہے۔

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب مصعب بن عبداللہ الزبیری الاسدی (۱۵۶-۲۳۶ھ) کی "نسب قریش واخبارہا" کو جو ابن الکلبی (متوفی ۲۰۴ھ) اور علی بن محمد المدائنی (متوفی ۲۲۵ھ) کے بعد نسب قریش پر مفصل اور نہایت معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے، فرانسیسی مستعرب لیوی پروانسال (پیرس یونیورسٹی) نے مرتب کر کے دارالمعارف، قاہرہ سے ۱۹۵۳ء میں شائع کر دی ہے۔

ہشام بن محمد الکلبی کی جمہرۃ النسب، بھی اس موضوع کی اہم کتابوں میں ہے۔ اس کے نسخے اسکوریال، لندن اور پیرس میں محفوظ ہیں۔ اس کتاب کے خلاصے ابوسعید السکّری (متوفی ۲۶۵ھ) اور یاقوت الحموی (متوفی ۶۲۶ھ) نے تیار کیے ہیں۔ السکّری کے خلاصے کی پہلی جلد برٹش میوزیم میں ہے اور یاقوت الحموی کے کیے ہوئے اختصار المقتضب من جمہرۃ نسب کا نسخہ منحصر بفرد دارالکتب قاہرہ میں محفوظ۔ یہ نسخہ یاقوت کی زندگی میں ۶۱۲ھ میں لکھا گیا ہے اسے ڈاکٹر نصر اللہ محمد احسان الٰہی رانا (متوفی ۳ نومبر ۱۹۹۱ء) سابق صدر شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی نے اورینٹل کالج میگزین میں قسط وار شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اگست ۱۹۵۹ سے فروری ۱۹۶۳ء تک کی پانچ قسطیں میرے ذاتی کتاب خانے میں موجود ہیں۔

ڈاکٹر احسان الٰہی کو انساب عرب سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ انھی نے یاقوت الحموی الرومی (۵۷۴ - ۶۲۶ھ) کی "المقتضب عن جمہرۃ النسب" (جو بظاہر ابن الکلبی کی "جمہرۃ انساب العرب کا ملخص ہے) بھی مرتب کر کے شائع کرنی شروع کی تھی۔ جلد اول کا نصف اول، اگر چھپا تھا تو میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن نصف ثانی کا متن جو اورینٹل کالج میگزین کے شمارۂ خاص (۱۹۸۲ء) میں چالیس صفحات پر مشتمل ہے شائع

ہوا ہے، میرے پاس ہے۔ "المقتضب" کی جلد دوم جس کا آغاز ہلال بن عامر بن صعصعہ سے ہوتا تھا، معلوم نہیں شائع ہوئی یا نہیں۔

اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ الزبیر بن بکار الزبیری (متوفی ۲۵۶ھ) کی "انساب قریش واخبارہم" کی پہلی جلد باڈلیان لائبریری اوکس فورڈ میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا عکس مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی نے میرے انگلستان کے قیام (۱۹۵۳ء-۱۹۵۶ء) کے زمانے میں مجھ سے منگوایا تھا اور میں نے انھیں بھیج دیا تھا۔ یہ کتاب اگر انھوں نے مرتب کرلی ہے تو اب تک اشاعت پذیر نہ ہوسکی۔ ابن بکار کی کتاب کی دوسری جلد اس زمانے میں گم تھی اور سمجھی جاتی تھی کہ ضائع ہوگئی۔ اب اس کا ایک نسخہ کتب خانہ کوپریلی (استانبول) میں دریافت ہوگیا ہے جو قرن سادس کے نصف اول کا مکتوبہ ہے۔ اس نسخے پر اس کا نام "نسب قریش ومناقبہا" درج ہے۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ (حیدرآباد) اور شیخ مختار احمد ندوی کے قائم کردہ ادارہ الدار السلفیہ (بمبئی) کو اس قیمتی اور نادر کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتاب خانے میں ابوبکر محمد بن احمد الصنوبری الضبی (متوفی ۳۳۴ھ) کے دیوان کا ایک غیر مکمل نسخہ محفوظ ہے (رقم ۲۰۲) جو اپنی ندرت کی وجہ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں مسعود حسن نے مجھے لکھا تھا کہ دیوان الصنوبری کے مخطوطے کے بہت سارے حصے وہ دیکھ چکے ہیں، اب نقل کرنا باقی ہے۔ حالات زندگی کے سلسلے میں بہت سی معلومات انھوں نے جمع کرلی تھیں اور الاستاذ راغب الطباخ نے اعلام النبلا بتاریخ حلب الشہبا اور الروضیات (حلب ۱۹۳۲ء) میں جو اشعار الصنوبری کے درج کیے ہیں،..... ان کا مقابلہ وہ دیوان کے مخطوطے سے کر رہے تھے کہ انھیں اطلاع ملی کہ اس نسخے کی فلم دمشق کے کسی عالم نے منگوائی ہے اور وہاں بھیجنا منظور کرلیا گیا ہے اس خبر نے انھیں مایوس وافسردہ کردیا۔

اسی زمانے میں مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی (استاد تفسیر کلکتہ مدرسہ) عربی زبان و ادب کے معروف عالم ومحقق جن کے تحقیقی مضامین عربی رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں، دیوان الصنوبری مرتب کرنے پر آمادہ تھے، اس سلسلے میں ان سے میری خط کتابت بھی رہی، میں سمجھتا تھا کہ معصومی صاحب کم وقت میں بہتر کام کرسکیں گے

لیکن اس اطلاع پر کہ ایک شامی عالم اسے شائع کرنے والے ہیں، انھوں نے بھی اپنا کام روک دیا۔ شاید اس لیے بھی کہ نشر و اشاعت کی جو آسانیاں عرب فضلاء کو حاصل ہیں وہ ہمیں میسر نہیں۔ میرے خیال میں جن اصحاب نے اب تک اس مخطوطے کی ترتیب میں دلچسپی لی، مولانائے معصومی اس دیوان کی ترتیب کے لیے ان سبھوں میں سب سے زیادہ موزوں تھے اور ان کا مرتب کردہ دیوان شام سے شائع شدہ اڈیشن سے ہر لحاظ سے بہتر ہوتا۔ دمشق سے اگر کوئی اڈیشن نکلا تو وہ میری نظر سے نہیں گزرا لیکن ایشیاٹک سوسائٹی کے اسی نسخے پر مبنی اڈیشن ڈاکٹر احسان عباس، استاد ادب عربی، بیروت یونیورسٹی نے جواب مبحث العلمی جامعۂ اردن (عمان) کے ڈائرکٹر ہیں دیوان الصنوبری مع اضافات واستدراکات بیروت سے ۱۹۷۰ء میں شائع کر دیا ہے، یہ بہت اچھا علمی وتنقیدی اڈیشن ہے۔

مسعود حسن کوئی تیس۳۰ سال تک پٹنہ کالج، محسن کالج ہوگلی، سنٹرل کالج (موجودہ آزاد کالج) کلکتہ مدرسہ اور کلکتہ یونیورسٹی میں عربی و فارسی اور اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے۔ اس عرصہ میں ہزاروں طالب علم ان سے فیضیاب ہوئے ہوں گے اور ان میں سے کتنے حکومت کے اچھے عہدوں پر سرفراز ہوں گے اور کتنے ایسے ہوں گے جو کالجوں اسکولوں اور مدرسوں میں استاذ کے فرائض انجام دے رہے ہوں گے، اور نئی نسل کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کر رہے ہوں گے۔

ان کا تعلق کلکتہ کے مختلف اداروں سے رہا۔ وہ ایران سوسائٹی کے لائف ممبر تھے، عرصے تک اس کی کونسل کے رکن اور مجلہ انڈو ایرانیکا کے مقامی ایڈیٹروں میں رہے، وہ ایشیاٹک سوسائٹی کے رکن تھے اور دس سال تک اس کے جوائنٹ فیلو لوجیکل سکریٹری رہے۔ وہ مولانا ابوسلمہ شفیع احمد[1] کے ادارۂ ترجمہ وتالیف (کلکتہ) کے

---

[1] مولانا ابوسلمہ شفیع احمد صوبۂ بہار کے مشہور مردم خیز قصبہ بہار شریف کے رہنے والے تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے تلامذہ میں تھے۔ انھوں نے مولانا ابوعبداللہ محمد بن یوسف السورتی اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بعض دینی مدارس میں وہ درس دیتے رہے پھر کلکتہ مدرسہ نے ان کی خدمات =

بڑے سرگرم کارکن تھے جہاں سے متعدد مفید کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

= حاصل کریں جہاں وہ تفسیر وحدیث کے استاد مقرر ہوئے۔

مولانا بڑے کامیاب مقرر اور بہت اچھے خطیب تھے۔ کلکتہ میدان میں جہاں عرصے تک مولانا ابو الکلام عیدین کا خطبہ دیتے رہے تھے، جب سبکدوش ہوئے تو وہاں کے مسلمانوں نے اس عہدۂ جلیلہ کے لیے مولانا ابوسلمہ کا انتخاب کیا جہاں وہ زندگی بھر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کا اصل میدان ارشاد و ہدایت تھا۔ کبرسنی اور صحت کی کمزوری کے باوجود وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر تبلیغ اسلام کرتے رہے اور قرآن و سنت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ کلکتہ میں انھوں نے حلقۂ درس قائم کر رکھا تھا جہاں وہ تعلیمات قرآنی اور شریعت کے اوامر و نواہی لوگوں کو سناتے رہے۔

مولانا ابوسلمہ صرف زبان ہی سے نہیں اپنے قلم سے بھی دینی خدمت انجام دیتے رہے۔ انھوں نے امام بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار، حافظ نور الدین الہیثمی کی موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، امام دارقطنی کی الزامات صحیح البخاری ومسلم اور ابن حزم کی اسماء الصحابۃ والرواۃ کے متون کی تصحیح کی اور ان پر مفید حواشی لکھے۔ آخر الذکر کتاب ان کے ادارۂ ترجمہ و تالیف سے ۱۹۸۳ میں شائع ہوئی۔ اسی ادارے نے مولانا مناظر احسن گیلانی کی الدین القیم، مولانا مسعود عالم ندوی کی اسلام اور اشتراکیت اور خود مولانا کی تعلیمات قرآنی اور یکساں سول کوڈ اور اسلامی احکام شائع کی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی سے سے گہری عقیدت کی بنا پر ان کے تصنیف کردہ دو رسالے 'رسول وحدت' اور 'ایمان' بھی اسی ادارے نے شائع کیے۔ انھوں نے بہت پہلے اپنے قائم کردہ ادارہ مکتبۂ علم و حکمت (بہار شریف) سے سید صاحبؒ کے کچھ مضامین کا ایک مجموعہ بھی کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔

آخری سفر حج (۱۹۸۵) میں انھیں جمہرۃ اللغۃ لابن درید کے نئے اڈیشن (طبع قاہرہ) کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ مرتب کا قیمتی اور پر معلومات مقدمہ انھیں اس قدر پسند آیا کہ انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ وہ اردو میں ترجمہ کر کے اسے اپنی تعلیقات کے ساتھ شائع کرنا چاہتے ہوں گے، لیکن اجل نے انھیں اس کی مہلت نہیں دی، اور وہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وادخل فسیح جناتہ

ان کے مخلص دوست اور رفیق کار پروفیسر مسعود حسن کا ان پر بھی بہت اچھا تاثراتی مضمون میں نے مجلۃ المجمع العلمی الہندی جلد ۱۲ (یونیو ۱۹۸۷ء) میں شائع کر دیا ہے۔

مسعود حسن خلیق اور متواضع تھے۔ وہ کم آمیز اور کم سخن تھے۔ خاموش طبیعت رکھتے تھے اور نرم لب و لہجے کے آدمی تھے۔ میں نے کبھی انھیں اونچی آواز میں بات کرتے نہیں سنا۔ نامناسب بات سن کر بھی وہ عام طور پر خاموش رہتے۔ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ضروری ہوا تو وہ نہایت شائستہ لہجے میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیتے، نہ اپنی بات پر زیادہ اصرار کرتے اور نہ اسے منوانے کے لیے زیادہ جوش و خروش کا اظہار کرتے۔ یہ ان کی زندگی کا عام رویہ تھا، خاص مواقع اور خاص مسائل پر ان کا انداز ضرور مختلف ہوتا تھا جو ایک فطری بات تھی۔ وہ عام طور پر جھگڑوں میں پڑنے سے گریز کرتے تھے اور اختلاف سے بچتے تھے، لیکن ان کی رایوں میں استحکام و ثبات وصلابت ہوتی تھی اور جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے، زندگی میں انھوں نے غلط فیصلے بھی کیے اور اس کی پاداش بھی انھیں بھگتنی پڑی۔ میری ناقص رائے میں ان کا کلکتہ مدرسہ میں پرنسپل ہو کر جانے کا فیصلہ کچھ صائب نہ تھا۔ وہاں کے اساتذہ سے (جن میں کچھ اہم اور لائق علما بھی تھے) اگر وہ اپنے تعلقات استوار رکھتے اور اپنے لطف و کرم، اپنی نرم گفتاری و خوش اخلاقی سے ان کے دل جیتنے میں کامیاب ہو جاتے تو وہ اس ذہنی کشمکش اور ابتلا میں نہ پڑتے جس میں ان کی زندگی کے کئی قیمتی سال ضائع ہو گئے ان کے اس زمانے کے خطوط سے جو انھوں نے مجھے لکھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیسی ذہنی تکلیف اور کیسے کرب میں مبتلا ہیں۔ اس نامناسب فضا نے ان کی علمی کارکردگی کو خاصا متاثر کیا اور ان کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو علمی منصوبے ان کے ذہن میں تھے انھیں وہ بروئے کار نہ لا سکے۔

مسعود حسن تنہائی پسند تو نہ تھے ہاں کم آمیز ضرور تھے۔ وہ زیادہ لوگوں سے تعلقات بڑھانے کے حق میں نہ تھے لیکن جن سے ان کے تعلقات ایک بار قائم ہو گئے ہمیشہ قائم رہے۔ وہ دوستوں سے دوستی نبھانے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ کلکتہ کے دوستوں میں جسٹس خواجہ محمد یوسف، پروفیسر جگدیش نرائن سرکار، پروفیسر عطا کریم برق، پروفیسر شاہ مقبول احمد، ڈاکٹر محمد صابر خاں، مولانا ابوسلمہ شفیع احمد اور پرویز شاہدی سے ان کے دیرینہ مراسم تھے کچھ اور احباب بھی ہوں گے۔ ان کے مدرسہ شمس الہدیٰ کے دوستوں میں پروفیسر حکیم عبدالاحد اور راقم الحروف

کے تعلقات کا زمانہ پچاس سال کو محیط ہے، اس عرصے میں کتنے انقلابات آئے، حالات زیر وزبر ہوئے لیکن ان کی محبت اور ان کا خلوص ہمیشہ خوشبو بکھیرتا رہا۔

مرحوم اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے انھیں بہت اچھی تعلیم دی اور ان کی بہت اچھی تربیت کی۔ خان بہادر مولانا ابونعیم محمد مبارک کریم سپرنٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز حکومت بہار کے صاحبزادے مولانا محمد تبارک کریم فاضل شمسی (مقیم حیدرآباد) کی بیٹی ان کے عقد میں تھیں، یہ پانچ تعلیم یافتہ اور ہونہار بیٹے اپنی نشانی چھوڑکر ۱۵ اپریل ۱۹۶۵ء کو رحلت کرگئیں۔ بڑے بیٹے سعید حسن تعلیم کی تکمیل کے بعد مرکزی حکومت میں ریلوے بورڈ میں اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ رشید حسن میکانیکل انجینیر ہیں اور کلکتہ کی ایک اہم فرم میں ملازم ہیں۔ وحید حسن ایک کامیاب ڈاکٹر ہیں اور کلکتہ ہی میں پریکٹس کرتے ہیں، حمید حسن نے اپنی تعلیم مکمل کرلی ہے۔ اور فرید حسن بی کام کررہے ہیں۔ مرحوم کی دوسری شادی ان کے قریبی عزیزوں میں ہوئی، ان کے بیٹے لبید حسن اور ولید حسن چھوٹے ہیں اور اسکول میں تعلیم پارہے ہیں، خدا ان سبھوں کو خوش وخرم رکھے اور دینی ودنیوی سعادتوں سے مالا مال کرے۔

نوٹ: یہ مضمون ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (ستمبر ۹۲ء) میں شائع ہوا تھا۔ اب مضمون نگار نے نظر ثانی میں کثرت سے اضافے کردیے ہیں اور مسعود حسن مرحوم کے اساتذہ واحباب اور دوسرے اصحاب پر قابل قدر اور پر معلومات سوانحی نوٹس لکھے ہیں کہ اس نے ایک نئے مضمون کی صورت اختیار کرلی ہے (مدیر)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان وعمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان وعمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے ○ ایمان وعمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۴۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲